

جامعہ عثمانیہ کے مترجمین کی خدمات

* عامر بشير

* ایم فل اردو سکالر، رفاه انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد

***** توبیہ ارشد *****

** ایم فل اردو سکالر، رفاه انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد

***ڈاکٹر شبیر احمد قادری

*** سربراہ شعبہ اردو، رفاه انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد

ABSTRACT:

Translation literally means "to carry across"; that's what translation means. Translation plays an important role to introduce and familiarize one nation and civilization to another. Jamia Usmania was the first formal institution in the sub-continent, where Urdu translations of various subjects started on scientific basis. Translators of Jamia Usmania translated books of all categories including Medicine, Engineering, Law, Arts and other science books of syllabus upto Graduation and master Degrees including LLM. The way this institution tried to implement the curriculum in the national language is a beacon to impose medium of education at any place practically.

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے، کسی ایک زبان کے مافی الضمیر کو دوسری زبان میں ڈھالنا ترجمہ کہلاتا ہے۔ ترجمے کی اصطلاح ذہن میں آتے ہی یہ سوال ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے کہ ترجمہ ہوتا کیا ہے؟ اس کی حدود کا تعین ممکن ہے بھی یا نہیں؟ ایک عام پڑھے لکھے شخص سے اگر یہ سوال کیا جائے تو وہ فوراً جواب دے گا کہ کسی ایک زبان کی تحریر کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام ترجمہ ہے۔ انسانوں کے درمیان باہمی ارتباط اور اتحاد و یگانگت کی راہ میں جو سب سے اہم اور بڑی فطری رکاوٹ حائل رہی ہے، شاید وہ زبانوں کا فرق ہے۔ اس فرق کو مٹانے اور انسان کے علم و عرفان اور ادب کو بنی نوع انسان کی مشترک میراث بنانے میں ترجمہ نے جو اہم اور نتیجہ خیز کردار ادا کیا ہے، انسانی تہذیب کی تارن پھار و درق اس کا گواہ ہے۔ ترجمہ ہمیشہ سے ہی مختلف زبانوں کی تہذیبوں میں افہام و تفہیم کا ذریعہ و آلہ کار ثابت ہوا ہے۔ ترجمے کے ذریعے ہم ایک دوسرے تک رسائی حاصل کر کے جسمانی نہ سہی ذہنی رفاقت کا کچھ نہ کچھ حق ادا کرتے رہے ہیں۔

ترجمہ ہی ہے جس کے ذریعے ایک قوم دوسری قوم کے ذخیرہ علم سے مستفید ہو سکتی ہے۔ ترجمے کو ایک ایسا درپچہ قرار دیا جاسکتا ہے جس کے کھل جانے سے ایک ایسی دنیا کے دروازے ہم پر وا ہوتے ہیں جس سے ہم اس سے قبل بالکل واقف نہیں ہوتے۔ اس سے ہم نہ صرف متعلقہ فن پارے کی لسانی خصوصیات سے مستفید ہوتے ہیں بلکہ جس تمدن، قوم اور ملک کی وہ پدید اور ہوتا ہے اس تک بھی پہنچتے ہیں۔ ان احساسات اور بردارکات و محرکات سے بھی متعارف ہوتے ہیں جو اس مخصوص قوم کا سرچشمہ حیات ہوتے ہیں۔ یوں کہ لیجئے کہ ترجمہ افہام و تفہیم کے نئے دروازے کھول کر فکری و ماحولیاتی خلجیوں کو پائے اور قربتیں پیدا کرنے میں ایک ٹیل کا کام کرتا ہے۔

ترجمہ کی اہمیت ہم عجمی مسلمانوں کے لیے دوچند ہو جاتی ہے، چونکہ ہماری مادری زبان عربی نہیں جبکہ مذہبی مواد عربی زبان میں ہے لہذا اگر کہا جائے کہ ہم عجمی لوگوں کو خدا کی معرفت اور اپنے مذہبی عقائد کی جانکاری ترجمے ہی کی بدولت ممکن ہوئی تو غلط نہ ہو گا۔

موجودہ دور میں دنیا کے تمام ممالک (گلوبل ویلیج نظریہ کے تحت) نہ صرف ایک دوسرے کے قریب آگئے ہیں بلکہ ان کی معاشی، سیاسی اور تہذیبی ضرورتوں کا انحصار بھی ایک دوسرے پر ہے۔ اس تہذیبی کے دور رس نتائج نے عالمی سطح پر ایک دوسرے کو سمجھنے، ان سے اپنا رشتہ مضبوط کرنے میں مدد دی ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرے کی زبان کو سمجھنے کی ضرورت کو اجاگر کر کے دنیا کو امن و ترقی کے راستے پر گامزن کیا ہے۔

اس ترقی اور امن کے فروغ میں مادی اشیاء نے ہی سہارا نہیں دیا بلکہ اس میں زبان، ثقافت اور ترجمے نے زبردست کام کیا ہے گویا ترجمے کی بدولت ہی ایک قوم اس کی زبان اور ادب نے دوسری قوموں کو پورا پورا فائدہ اٹھانے کے مواقع فراہم کیے ہیں، دوسری طرف ترجمے نے زبان کے قوتِ اظہار کے نئے نئے امکانات پیدا کیے ہیں۔ اردو زبان میں ترجمہ کاری کی روایت بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود اردو زبان۔ اردو زبان میں ترجمے کے ارتقاء کے بارے اکثر قریں اپنی کتاب ”ترجمہ فن اور روایت“ میں درج ذیل جارا دوا کا ذکر کرتے ہیں :

الف۔ شروع دور میں ترجمہ ایک ایسے عمل کی مانند تھا جس کے ذریعے دوسرے ملکوں اور زبانوں کے تہذیبی اثرات اردو زبان میں منتقل کئے جا رہے تھے۔۔۔۔۔ ان کی مثال ایسے پیار کی تھی جو اپنی روزانہ غذا اُوں (اردو) کے نقص کو دو اُوں (عربی و فارسی) خیالات و اسالیب کے ذریعہ دور کر رہا ہو۔

ب۔ اردو تراجم کا دوسرا دور وہ تھا جب مترجموں نے اردو کو اپنے اسلامی فکر و خیالات کے اظہار کا محکم ذریعہ بنانے کی کوشش کی۔

ج۔ تیسرے دور میں نفس ترجمہ اور اس کی ضروریات پر زور دیا گیا پچھلے دور میں نفس ترجمہ کو کسی حد تک نظر انداز کیا گیا۔

د۔ اردو ترجموں کا چوتھا دور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے اور اس دور میں ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اس بنیادی نقض کو دور کیا جائے، مگر یہ کس طرح ہو۔ (i)

برصغیر پاک و ہند میں ترجمہ کاری کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ روایت تقریباً پندرہویں صدی کے نصف آخر میں اپنی ابتدائی شکل میں نظر آتی ہے اسی لیے یہ مانا جاتا ہے کہ یہی دور اردو زبان کے آغاز اور ارتقاء دونوں لحاظ سے اہم ہے۔ اردو زبان میں ترجمہ کاری کے حوالے سے سب سے پہلی کتاب **"نشاۃ العشق"** ہے۔ یہ ایک صوفی بزرگ عبداللہ حسینی (جو حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے پوتے تھے) نے اردو میں ترجمہ کی؛ لیکن اس سے بعض محققین اختلاف کرتے ہیں، ان کے خیال میں یہ کہنا اور ثابت کرنا قدرے مشکل ہے کہ اردو میں پہلا ترجمہ کار کون سا ہے۔ بعض محققین شاہ میر اس جی خدا نمائے ابو الفضائل عبداللہ بن محمد عین القضاۃ ہمدانی کی تصنیف **"تمہید ہمدانی"** کا عربی سے جو ترجمہ کیا تھا وہ اردو کا پہلا ترجمہ گردانتے ہیں، کچھ اس کو بھی نہیں مانتے بلکہ ملا وجہی نے پہلی بار فتاحی نیشاپوری کی فارسی تصنیف **"دستور عشاق"** کا اردو میں ترجمہ **"سب رس"** کے نام سے کیا اسے پہلا ترجمہ مانتے ہیں۔

فورٹ ولیم کالج پہلا ادارہ تھا جس کے تحت منظم اور باقاعدہ طریقے پر ترجمے کا آغاز کیا گیا۔ فورٹ ولیم کالج سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں جتنے تراجم ہوئے تھے وہ سب انفرادی کوششوں کا نتیجہ تھے۔ چونکہ اس ادارے کا کام اُسے آسان اور عام فہم تراجم کرنا تھا جن کا مقصد انگریز حکمرانوں اور ان کے عاملین کو ہندوستان کی ثقافت اور یہاں کے علوم سے آگاہ کرنا تھا اسی لیے اس کالج نے عربی، فارسی اور

381

9- علامہ عبداللہ العبادی، فلسفہ

10- سید علی رضا، قانون، انجینئرنگ، تاریخ

11- خلیفہ عبدالکیم، فلسفہ، تاریخ⁽⁵⁾

یہ دارالترجمہ / جامعہ عثمانیہ کے مترجمین کی وہ پہلی جماعت تھی جس کا تقرر عمل میں لایا گیا اس کے علاوہ یہاں جن شخصیات نے گراں قدر کارنامے انجام دیے ان میں سید علی حیدر نظم طباطبائی اور مولوی عنایت اللہ شامل تھے اس ادارے سے بہت سے دانشور منسلک تھے جنہوں نے بہترین کام انجام دیا، اس کے بعد حمید احمد انصاری، محمد عنایت اللہ، سید محی الدین اس ادارے کے سربراہ رہے۔ اس ادارہ کے وجود میں آنے کے بعد نظم طباطبائی، مولوی عبد اللہ عمادی، اور مولوی سید ابراہیم ندوی جیسے باکمال حضرات کا تقرر بحیثیت مترجمین عمل میں لایا گیا، جن کا کام عربی اور فارسی کتب کا اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ دارالترجمہ کے قیام کے بعد سب سے مشکل کام کتابوں کا ترجمہ کرنا تھا وہ حل ہو گیا۔ دارالترجمہ کی خدمات پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آج ہندوستان اور پاکستان میں اردو زبان کو ذریعہ تعلیم رائج کرنے میں اس ادارے نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

دارالترجمہ میں آرٹس کے تمام مضامین کے لیے سب سے پہلے ایک ایک مترجم کا تقرر کیا گیا۔ ایسے افراد کا تقرر کیا گیا جو اپنے مضمون کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی، فارسی، عربی اور اردو زبان و ادب پر بھی دسترس اور عبور رکھتے تھے۔ اس کے لیے سائنٹفک طریقہ اپنایا گیا۔ اس سے قبل ترجمہ کاری کے کسی بھی ادارے نے اس بات پر توجہ نہیں دی تھی کہ مترجم ماہر فن اور ذہنی مہارت کا حامل ہے بھی یا نہیں؟

دارالترجمہ کے قیام سے عثمانیہ یونیورسٹی کے لیے کئی راہیں کھل گئیں۔ اس میں سب سے پہلے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے لیے ضروری نصابی کتب کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ چونکہ یہ ایک مسئلہ تھا کہ طلباء کے لیے پہلے نصابی کتب فراہم کی جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے شعبہ تالیف و ترجمہ قائم کیا تھا۔ دارالترجمہ کے کام کا یہ طریقہ تھا کہ نصاب یونیورسٹی کمیٹی کے تمام شعبوں کی ضرورت کے مطابق نصابی کتب فراہم کرتی تھی۔ دارالترجمہ ابتدا میں صرف تین سال کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد اس کی مدت بڑھا دی گئی۔ میر عثمان علی خاں نے دارالترجمہ کے کام اور مترجمین کی سہولت کے لیے دارالترجمہ کو دس سال قائم رکھنے کا فرمان جاری کیا۔ اس میں ترجمہ اور تالیف کے کاموں کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا جا رہا تھا۔ اس شعبہ نے پہلی مرتبہ آرٹس، طب، انجینئرنگ، قانون اور سائنس کے مضامین کا اردو میں ترجمہ کر کے یونیورسٹی کی تعلیم کو اردو میں رائج کر کے صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ بیرون ہند بھی ایک مثال قائم کی۔ ترجمہ کا کام جس قدر بہترین ہوا اس کے پیچھے کوشش بھی اتنی ہی بہترین کی گئی تھی۔ ان میں پروفیسر ہارون خاں شیروانی، پروفیسر ضیاء الدین انصاری، مسعود علی محوی، رشید احمد، عبدالباری ندوی، علامہ حکیم کبیر الدین، عبد الجید صدیقی، ڈاکٹر یوسف حسین خان، احسان احمد کے علاوہ بیشتر اُدباء قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کی انتھک کوششوں سے دو نتیجے نکلے: ایک تو یہ کہ اردو زبان کا دامن وسیع ہو گیا اور ساتھ ہی پیشتر کتابیں ترجمہ ہو کر آگئیں۔ اس ترجمے کی بدولت ایک نیا ادبی ماحول بنا جس کی بدولت اردو میں علوم و فنون پر سینکڑوں کتابیں منتقل ہوئی اور اس کے ساتھ ہی اردو ادب میں کافی اضافہ ہوا۔ چند برسوں میں اردو زبان بھی دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں شمار کی جانے لگی۔

دارالترجمہ کے قیام کے مقاصد میں یہ بھی شامل تھا کہ ہندوستانی عوام کو بیرونی ممالک کے علوم و فنون کے ساتھ جوڑا جائے، صرف علوم و فنون ہی نہیں بلکہ وہاں کی ترقی پسند تحریکوں سے آگاہ کرنا اور ان میں شعور بیدار کرنا تھا۔ اس شعبہ کے قیام سے ادارہ ہڈانے کم و بیش پندرہ سال تک لوگوں کی علمی و ادبی ذوق کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی تربیت کا فریضہ بھی ادا کیا۔ دارالترجمہ میں میڈیسن اور طب کی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا گیا۔ جب ان میں سے کچھ کتابوں کی اشاعت عمل میں آگئی، تب عثمانیہ یونیورسٹی میں طبیہ کالج کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ کسی بھی کورس کو عملی طور پر سمجھنا شروع کیا جائے، جب اس مضمون کی کتابیں شائع ہو جائیں۔ طب کی کتابوں کے مترجمین کون کون تھے، اور اس مضمون کی کتنی کتابیں شائع ہوئیں، اس حوالے سے عجیب الاسلام نے لکھا ہے:

"دارالترجمہ میں طب اور میڈیسن کے مترجمین ڈاکٹر محمد عثمان، ڈاکٹر غلام دھنگیر، ڈاکٹر مفتی شاہ نواز، ڈاکٹر محمد حسین، ڈاکٹر محمد شرف الحق، ڈاکٹر فضل کریم، ڈاکٹر خلیل الرحمن، ڈاکٹر مختار حسین، ڈاکٹر حیدر علی، ڈاکٹر حسن علی خاں، ڈاکٹر حامد حسن، ڈاکٹر خورشید حسن اور علامہ حکیم کبیر الدین نے جن موضوعات کے ترجمے کیے ان کی تعداد پینتالیس ہے۔ ان میں سے چوتیس تراجم شائع ہوئے دو کتابیں تالیف کی گئیں جن میں سے ایک کتاب مصطلحات کی بھی شامل ہے۔ یہ دونوں تالیف شائع ہوئیں۔ اس طرح چھتیس تراجم و تالیفات شائع ہوئے۔ ان تمام تراجم میں امراض ان کی پیدائش، ان کا بڑھنا، ان کی مختلف صورتیں ان کی نوعیت، ان کی تشخیص، امراض کی روک تھام اور ان کے علاج وغیرہ سے متعلق تمام باتوں کو واضح طور پر تحریر کیا گیا ہے۔"⁽⁶⁾

درج بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طبی تراجم کے حوالے سے دارالترجمہ حیدرآباد کافی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اس ادارے سے جتنے اہم اور قابل ستائش لوگ وابستہ رہے ان کی گراں قدر خدمات کی بدولت ہی طب کے اردو تراجم کی بھی بنیاد پڑی۔ ایسا نہیں ہے کہ اس سے پہلے اردو میں طبی تراجم نہیں ہوئے۔ اس ادارے سے پہلے کلکتہ میں اس حوالے سے کچھ کام ہوا تھا، لیکن اس کی بہت زیادہ تفصیل حاصل نہیں ہو سکی۔ دارالترجمہ حیدرآباد نے جتنی تعداد میں کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرایا تھا، یہ بہت بڑا المیہ کہا جائے گا کہ ساری کتابیں شائع نہیں ہوئیں۔ ممکن ہے کہ کچھ کتابوں کی اشاعت کا لاحقہ عمل بھی تیار کیا گیا ہو لیکن ذریعہ تعلیم اردو کے بجائے انگریزی ہو جانے کی وجہ سے انتظامیہ نے اس طرف توجہ نہ کی ہو۔ ترجمے اس لیے کرائے گئے تھے کہ اردو زبان میں آسانی سے تعلیم دی جاسکے۔

ویسے تو کسی بھی فن پارے کا ترجمہ کرنا مشکل کام ہے۔ اگر ترجمہ ادبی فن پارے کا ہے تو اس اعتبار سے وہ دوسرے فن پاروں سے آسان ہوتا ہے کہ ادب میں عام طور پر اصطلاحات کا استعمال نہیں ہوتا ہے، جب کہ دوسرے کسی بھی متن کا ترجمہ کرتے وقت سب سے مشکل کام اصطلاحات کا ترجمہ کرنا ہوتا ہے۔ دارالترجمہ چونکہ درسی نصاب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تراجم کر رہا تھا لہذا یہاں سب سے اہم مسئلہ اصطلاح سازی کا ہی تھا کیونکہ اصطلاح سازی کی ضرورت ایسی تھی کہ اس سے واقفیت کے بغیر ہم علمی مطالب کے ادا کرنے اور ان اشاروں کے مفہوم کو واضح کرنے میں ناکام رہتے۔

بقول وحید الدین سلیم:

"اصطلاحیں درحقیقت اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو فوراً منتقل کر دیتے ہیں۔"⁽⁷⁾

دارالترجمہ حیدرآباد میں ایک کمیٹی ”وضع اصطلاحات“ کے نام سے بنائی گئی تھی۔ اس کمیٹی کے اراکین کئی اعتبار سے ماہر تھے۔ کیونکہ مترجم کو اصطلاحات کا ترجمہ کرتے وقت مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کمیٹی نے جو بھی اصطلاحیں وضع کیں، وہ اصل سے قریب تر ہیں۔ کچھ اصطلاحوں کا ذکر حبيب الاسلام نے اپنی کتاب میں کیا ہے، جیسے Deficiency Anaemias: کی اصطلاح اردو میں ”قتی عدم دموتیں“ وضع کی گئی ہیں۔ لیکن اس اصطلاح کو سمجھنا یہ کوئی آسان کام نہیں۔ باوجود اس کے وضاحت کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح کئی اعتبار سے موزوں ہے، لیکن جو اصطلاحیں وضع کی گئی ہیں، ان میں سے عام طور پر عربی آمیز ہیں۔ یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ طب کا براہ راست تعلق عربی سے ہی ہے اور عربی کو اس اعتبار سے اولیت بھی حاصل ہے۔ دارالترجمہ حیدرآباد کی اہم خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہاں سے شائع شدہ تراجم آسان اور عام فہم زبان میں ہوتے تھے۔ جسے ہر کوئی آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔ اس سلسلے کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"تولید کا انحصار مرد کی طبعی فعالیت پر بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ عورت کی طبعی صنفی فعالیت پر۔ لہذا علم ہمیشہ عورت ہی کی طرف سے پیدا نہیں ہوتا، اگرچہ وہ حالتیں جن سے اس کے پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے مرد کی نسبت عورت میں زیادہ کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ جو ازدواجیات بار آور ثابت نہیں ہوتی ان میں 20 سے 25 فیصد میں اولاد نہ پیدا ہونے کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ بعض خاندانوں کا رجحان بعض نسلوں کی طرح معدوم ہو جانے کی طرف ہوتا ہے اور عمل یا تو فعالیت تولید میں مترقی نقص ہو جانے یا کسی موروثی مرض کی وجہ سے وقوع میں آتا ہے۔" (8)

درج بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی ماہر ترجمہ کرتا ہے تو وہ اس لیے بھی دوسروں سے بہتر کر سکتا ہے، کیونکہ اس کے پیش نظر دونوں زبانوں کی لفظیات ہوتی ہیں۔ کون سا لفظ کس کے لیے زیادہ مناسب ہے اس کا انتخاب کوئی ماہر زبان ہی کر سکتا ہے۔ درج بالا اقتباس کا اصل متن سامنے تو نہیں ہے، جس سے یقینی طور پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس اقتباس کو پڑھ کر مفہوم سمجھنے میں نہ تو کوئی دقت آئی اور نہ ایسا لگا کہ کسی متن کا ترجمہ پڑھا جا رہا ہے۔ غلام دستگیر نے بجز چند الفاظ کے عام فہم الفاظ ہی کا استعمال کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد عثمان کے ترجمہ کا ایک حصہ جو کالی کھائی کے تعلق سے ہے، ملاحظہ ہو:-

"یہ ایک متعدی بیماری ہوتی ہے، جس میں عام طور پر کسی قدر قریبی تماس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی بظاہر کپڑوں اور کبھی یقینی طور پر بلاق Sputum سے نقل ہوتی ہے۔ بچے اس سے بہت حس پذیر ہوتے ہیں اور بیشتر اشخاص کو یہ مرض اداس عمر میں ہوتا ہے لیکن بالکل شاذ طور پر اس کا بالغوں پر حملہ ہوتا ہے۔" اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ کالی کھانسی کی دواء خسرہ کی دواء کے بعد فی الفور واقع ہوتی ہے۔" (9)

مذکورہ اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے متن کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ عام قاری بھی اس کو سمجھ سکے۔ البتہ زبان و ادب کے حوالے سے یہ اقتباس دیکھا جائے تو کہیں کہیں ترمیم و اضافہ کی گنجائش نظر آتی ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ میں کئی اہم کتب کا ترجمہ کیا گیا، جن میں "چند ابتدائی حیوانات برائے طلبہ طب" کو محمد سعید نے انگریزی کتاب (L.A-Elementary Zoology for Medical Students) سے ترجمہ کیا۔ یہ کتاب 1949ء میں شائع ہوئی۔ اصول صحت اور صحت عامہ، کو ڈاکٹر محمد عثمان نے انگریزی کتاب (A Treatise on Hygiene and Public Health) سے ترجمہ کیا۔ لیکن یہ کتاب شائع نہیں ہو سکی۔ امراض اطفال کو ڈاکٹر غلام دستگیر نے انگریزی کتاب (James) Manual of Diseases of Children سے اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب بھی شائع نہیں ہوئی۔ امراض چشم کو ڈاکٹر خورشید حسن نے انگریزی کتاب (C. Worth -Manual of Diseases of the Eye) سے ترجمہ کیا۔ یہ کتاب 1941ء میں شائع ہوئی۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی ایسی کتابیں ہیں جن کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

آرٹس کے تمام مضامین کے ساتھ ساتھ دارالترجمہ کے علمی تراجم نے سائنس کی تمام شاخوں، فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، زوولوجی وغیرہ میں بی ایس سی اور ایم ایس سی تک تعلیم کے لیے دروازے کھول دیے، جس سے طلباء کو کافی مدد ملی اس طرح دارالترجمہ کی بدولت اردو میں وہ سہولت پیدا ہوئی جو دنیا کی دوسری بڑی زبانوں میں دیکھی جاتی ہے۔ یہاں کے مترجمین نے بے لوث شب و روز جس انہماک سے ترجمے پر کام کیا وہ انتہائی قابل ستائش ہے یہاں مختصر آچند شعبہ جات کے چند مترجمین کا چیدہ چیدہ ذکر کیا جاتا ہے۔

تاریخ۔ سید ہاشمی فرید آبادی دارالترجمہ عثمانیہ کے قیام کے ساتھ ہی ان کا تقرر یہاں مترجم کی حیثیت سے ہو گیا، ترجمہ کی دنیا میں وہ انفرادی اور اہم مقام رکھتے ہیں انہوں نے سترہ کتابوں کا ترجمہ کیا ان میں سے چودہ کتابیں تاریخی اور تین جغرافیہ کی ہیں۔ تاریخی چودہ کتابوں میں سے نو انگریزی سے اردو ترجمہ اور پانچ تالیفات ہیں یہ پانچوں تالیفات ہندوستان کی قدیم اور وسطی تاریخ پر مشتمل ہیں۔

معاشیات۔ حبیب الرحمن کا تقرر 1922ء میں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ معاشیات میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے ہوا۔ "اصول معاشیات" اور "دنیا کی ہستی کے اسباب" ان کی دو کتابیں علم معاشیات میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں ان کے علاوہ دارالترجمہ کے لیے انہوں نے تین کتابوں کا ترجمہ کیا۔

سیاسیات - **قاضی تلمذ حسین** نے دارالترجمہ میں بیس کتابوں کا ترجمہ کیا ان میں سے تیرہ سیاسیات اور سات تاریخ کی ہیں۔ مجموعی طور پر قاضی صاحب نے سب سے زیادہ ترجمے کیے ہیں ایک مترجم کی حیثیت سے ان کا مقام بہت بلند ہے۔

فلسفہ۔ **خلیفہ عبدالکحیم** کا تقریر عثمانیہ یونیورسٹی کی آرٹس فیکلٹی میں فلسفہ و منطق کے اسٹنٹ پروفیسر کے طور پر 1919ء میں کیا گیا۔ 1927ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی گئے اور وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی واپس آکر جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر اور صدر شعبہ فلسفہ مقرر ہوئے۔ ان کی متعدد کتابیں ادب اور فلسفے پر شائع ہوئیں۔ انہوں نے دارالترجمہ کے لیے چار کتابوں کے تراجم کیے۔ ان میں سے تین اصل جرمن اور ایک انگریزی کتاب سے اردو میں ترجمہ کیا۔ فلسفے کے دوسرے مترجمین ڈاکٹر میر ولی الدین، مولوی احسان احمد، خواجہ عبدالقدوس، مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر سید وحید الدین، رائے شیوالال، مرزا ہادی رسوا، عبداللہ عمادی، سید ابوالخیر مودودی، نوب معشوق یار جنگ، سید میرک شاہ اور عبداللہ قدیر نے کل چوتیس انگریزی، جرمنی، عربی اور فارسی کتب کے تراجم کیے ان میں سے ستائیس تراجم شائع ہوئے۔

نفسیات۔ مولوی احسان احمد دارالترجمہ عثمانیہ کے مستقل رکن کی حیثیت سے اپنا ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ 1925ء میں جب ان کا تقرر جامعہ عثمانیہ میں ہوا اس وقت جامعہ میں فلسفہ، نفسیات، منطق اور اخلاقیات کی باقاعدہ تعلیم شروع ہو چکی تھی۔ مولوی احسان احمد نے ان تمام مضامین کی سولہ کتب کا ترجمہ کیا ان میں سات نفسیات، چار فلسفہ، چار اخلاقیات اور ایک منطق کی اصل انگریزی تصانیف سے ترجمے کئے۔ نفسیات کے دوسرے مترجمین میں معتمد ولی الرحمن، عبدالباری ندوی، اور دوسرے احباب نے ملکر کل پندرہ انگریزی کتابوں کے ترجمے کئے اور سب شائع ہوئے۔

اخلاقیات۔ مولوی عبدالباقی کا پہلا تقریر دکن کالج پونہ میں سید سلیمان ندوی کی جگہ شعبہ فارسی میں لیکچرار کی حیثیت سے ہوا۔ کچھ دن بعد گجرات کالج حیدرآباد میں فلسفہ اور نفسیات پڑھانے پر مامور ہوئے بعد میں حبیب الرحمن خان شروانی نے ان کا تقریر جامعہ عثمانیہ کے شعبہ فلسفہ میں کر دیا اور اسی شعبہ میں پروفیسر ہوئے۔ مولوی صاحب تقریباً بیس سال فلسفہ اور اس سے متعلق مضامین کا درس دیتے رہے ان کی اہم تصانیف میں "برکت اور اس کا فن"، "مذہب اور سائنس"، "ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ" بڑی اہم کتابیں ہیں دارالترجمہ کے لیے انہوں نے مابعد الطبیعیات کی تین، اخلاقیات کی دو نفسیات اور نباتات کی ایک ایک کتاب کا ترجمہ کیا۔

منطق۔ مرزا ہادی رسوا نے بی اے تک تعلیم حاصل کی اس کے علاوہ انہوں نے اپنے طور پر انگریزی، عربی، فارسی اور عبرانی زبانیں سیکھیں، فلسفہ، کیمیا، ریاضی، فلکیات اور موسیقی میں غیر معمولی مہارت پیدا کی، رسوا نے انگریزی زبان میں چند مضامین فلسفہ پر لکھے جو امریکہ سے شائع ہوئے ان مضامین کی معنویت اور اہمیت کے نتیجے میں انہیں پی ایچ ڈی اور ڈی۔ ایس۔ او کی اعلیٰ درجات دی گئیں، رسوا نے اردو شارٹ ہینڈ بھی متعارف کروائی۔ دارالترجمہ میں ان کا تقریر 1920ء میں مترجم کی حیثیت سے عمل میں آیا انہوں نے یہاں گیارہ تصانیف کا ترجمہ کیا یہ تراجم، چار فلسفہ، تین اخلاقیات، دو نفسیات اور دو منطق پر مشتمل ہیں یہ گیارہ تراجم دس انگریزی اور ایک عربی زبان سے ہے۔

منطق میں مزید چار کتابیں ترجمہ اور تالیف کی گئیں ان میں رسوا نے انگریزی سے دو ترجمے کئے مولوی احسان احمد نے ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ کیا، سید حیدر علی نے ایک عربی تصنیف کا ترجمہ کیا اور عبدالمجید نے ایک کتاب تالیف کی۔

انجینئرنگ۔ انجینئرنگ کے مترجمین میں پروفیسر ضیاء الدین انصاری کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ 1925ء میں جامعہ عثمانیہ سے ایم اے ریاضی کیا اور اسی سال جامعہ میں لیکچرار کے طور پر تعینات ہو گئے۔ جامعہ کے طلبہ میں یہ پہلے لیکچرار تھے۔ انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے انہیں اسٹیٹ گورنمنٹ نے سکالرشپ دے کر مانچسٹر بھیجا، ان کی واپسی سے قبل جامعہ عثمانیہ میں انجینئرنگ کالج قائم ہو چکا تھا۔ 1940ء میں آپ پروفیسر ہوئے اور پھر اسی کالج کے پرنسپل تعینات ہو گئے۔ انہوں نے دارالترجمہ کے لئے انجینئرنگ کی سب سے زیادہ کتب کا ترجمہ کیا جن میں نو انگریزی تصانیف کے ترجمے شامل ہیں۔ انجینئرنگ کے تمام مترجمین نے سٹائلس انگریزی تصانیف کا ترجمہ کیا ان میں سے چونتیس تراجم شائع ہوئے۔

قانون۔ دارالترجمہ عثمانیہ میں قانون کی جماعتوں ایل ایل بی اور ایل ایل ایم کے لیے ترجمے کرائے گئے تھے۔ جامعہ عثمانیہ ہندوستان کی پہلی یونیورسٹی تھی جس میں دوسرے مضامین کے ساتھ ساتھ قانون کی تعلیم بھی اردو زبان میں دی جاتی تھی۔ قانون کے مترجمین میں مولوی مسعود علی، رائے بیجا ناتھ، ڈاکٹر میر سیادت علی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سید علی رضا، پروفیسر حسین علی اور میر محبوب علی کے نام شامل ہیں ان میں مولوی مسعود علی نے سب سے زیادہ ترجمے کیے۔ انہوں نے دارالترجمہ کے لیے قانون کی پانچ انگریزی تصانیف کا ترجمہ کیا اور دو کتابیں تالیف کیں ان کی تمام کتابیں شائع ہوئیں۔ دارالترجمہ کے مترجمین نے آرٹس کے علاوہ سائنس کی تمام شاخوں، فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، زوولوجی وغیرہ میں بی ایس سی اور ایم ایس سی تک تعلیم کے لیے دروازے کھول دیئے۔ جس سے طلباء کو کافی مدد ملی۔ اس طرح دارالترجمہ کی بدولت اردو میں وہ سہولت پیدا ہوئی جو دنیا کی دوسری بڑی زبانوں میں دیکھی جاتی ہے۔

1947ء میں تقسیم ہند نے جہاں متحدہ ہندوستان کے ہر فرد اور ہر مکتبہ فکر کے گروہ کو متاثر کیا جس سے زندگی کے جملہ پہلو متاثر ہوئے وہاں تعلیم اور درس و تدریس کا پہلو بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ دارالترجمہ 1948ء تک شب و روز تندی سے تراجم میں مشغول رہا لیکن آزادی ہند کے بعد جب حیدرآباد کا الحاق ہندوستانی وفاق سے ہو گیا تو اس کا ذریعہ تعلیم اردو سے بدل کر انگریزی کر دیا گیا اور یوں تاریخ کے ایک سنہرے دور کا باب بند کر دیا گیا۔ اس وقت تک دارالترجمہ نے بہت سی کتب کا ترجمہ کیا۔ تصانیف اور ترجمہ شدہ کتب میٹرک، انٹر میڈیٹ، گریجویٹ اور ایم اے، ایم ایس سی تک کی تعلیم کا ذریعہ بنی۔ اس دور میں ترجمہ شدہ کتب کی تعداد مختلف بتائی جاتی ہے۔ مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں کہ:

"دارالترجمہ 1948ء تک فعال رہا لیکن دارالترجمہ کی آخری فہرست شائع نہیں ہوئی یوں دستیاب رپورٹوں اور ہارس مطبوعات کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ دارالترجمہ کی جملہ شائع کردہ کتب، پمفلٹوں، رپورٹوں اور رسائل کی تعداد الگ الگ 650 رہی ہوگی۔ مملکت حیدرآباد ایک علمی، ادبی اور ثقافتی تذکرہ مطبوعہ بہادر یار جنگ اکادمی، کراچی نومبر 1967ء میں 620 کتب کا اندراج ملتا ہے"۔⁽¹⁰⁾

1948ء میں دارالترجمہ یا جامعہ عثمانیہ نے اپنے تراجم کی کوئی فہرست شائع نہیں کی تھی لہذا اس بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ دارالترجمہ کی کل مترجمہ کتب کی تعداد کتنی تھی۔ ڈاکٹر حسن الدین کتب کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"جامعہ عثمانیہ کے ایک فرزند بدر گلپ کی اس سلسلے میں تحقیق و تلاش کا خلاصہ ہے کہ حمید احمد انصاری مجلہ جامعہ عثمانیہ کے ایک تحقیقی مضمون 1930ء کے بموجب دارالترجمہ کی طبع شدہ اور زیر ترجمہ کتب کی مجموعی تعداد 218 تھی۔ خود جامعہ کے شائع کردہ معلوماتی کتابچہ 1940ء کے مطابق جملہ مترجمہ شائع شدہ کتابوں کی تعداد 425 ہے۔ بہادر یار جنگ اکیڈمی نے حیدرآباد کی مطبوعات کی ایک قاموس کتب جو 1945ء میں شائع ہوئی اس میں بتایا گیا ہے کہ 1938ء میں بشمول 111 مجوزہ کتابوں کی یہ تعداد 530 تھی۔ 1945ء میں بشمول مجوزہ کتب یہ تعداد بڑھ کر 608 ہو جاتی ہے۔ چونکہ دارالترجمہ 1948ء تک کام کرتا رہا اس درمیان بھی کتب شائع ہوئیں اس لئے اگر ان کو بھی شامل کیا جائے تو جملہ کتب کی تعداد 960 قرار پاتی ہے"۔⁽¹¹⁾

1948ء کے بعد کا دور جامعہ عثمانیہ پر بہت اثر انداز ہو سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ اس تعلیمی ادارہ کی سرگرمیوں، اس کے بنیادی ڈھانچے، نصب العین اور مقاصد میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ نظام تعلیم میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ جامعہ عثمانیہ کا نام بدل دیا گیا۔ اب وہ عثمانیہ یونیورسٹی ہے۔ جامعہ عثمانیہ برصغیر کا پہلا باضابطہ ادارہ تھا، جہاں تراجم سائنٹفک بنیادوں پر ہونا شروع ہوئے۔ اس ادارے نے جس احسن انداز میں قومی زبان میں نصاب رائج کرنے اور اسے بطور درس و تدریس نافذ العمل کرنے کی سعی کی وہ کسی بھی جگہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ذریعہ تعلیم رائج کرنے کے لیے مشعل راہ ہے۔ آج جو لوگ اردو سے کم علمی کی بنیاد پر یہ دلائل دیتے ہیں کہ اردو زبان میں سائنسی علوم کا ذریعہ تعلیم بننے کی صلاحیت نہیں، جامعہ عثمانیہ کے مترجمین کی بدولت آج سے سو سال پہلے ان لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ کیا جا چکا ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے مترجمین نے انتہائی مختصر دور میں اور قلیل وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ابتدائی جماعتوں سے لیکر ایم اے تک کے نصاب کو اردو میں نہ صرف رائج کیا بلکہ کامیابی سے ہمکنار بھی کیا۔ جامعہ کے مترجمین نے بلاشبہ جو خدمات سرانجام دیں وہ تاریخ میں ہمیشہ زندہ و جاوید رہیں گی۔ یہ ان اصحاب کی انتھک اور پُر غلوس محنت و شاقہ کا ہی نتیجہ تھا کہ جامعہ میں تمام تر تدریس عمل اردو میں جاری ہو گیا۔ زندگی کے ہر شعبہ تعلیم چاہے وہ آرٹس کے مضامین ہوں یا سائنس کے، تاریخ کے ہوں یا قانون کے تمام کے لیے اس دور کی اعلیٰ کتب کے تراجم کی فراہمی انہی اصحاب کی بدولت ممکن ہوئی۔ المختصر جامعہ کے مترجمین کی خدمات ہر دور اور ترجمے کی ہر نچ پر سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔

حوالہ جات

1. قمر رئیس، ڈاکٹر، ترجمہ کافن اور رویت، خواجہ پریس، دہلی، جون 1976ء، ص 183-182
2. عبدالقادر سروری، بحوالہ: جامعہ عثمانیہ مصنف حسن الدین احمد ڈاکٹر، ادبی ٹرسٹ حیدرآباد 1988ء، ص 12
3. جسارت، روزنامہ، کراچی، 15 نومبر 1984ء
4. خلیق انجم، فن ترجمہ نگاری، نثر آفست پرنٹرز، نئی دہلی، 1996ء، ص 19
5. رضی الدین صدیقی، بحوالہ: اردو ترجمے کی روایت 1786ء سے تاحال، مصنف: حامد بیگ مرزا، ڈاکٹر، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2016ء، ص 199
6. مجیب الاسلام، دارالترجمہ عثمانیہ کی علمی اور ادبی خدمات۔ اردو اکادمی، دہلی، 1987ء، ص 123-124
7. وحید الدین سلیم، مولوی، وضع اصطلاحات، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، بار سوم، 1965ء، ص 12
8. غلام دستگیر، ڈاکٹر، مترجم، علم امراض النساء۔ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد۔ 1939ء، ص 322
9. مجیب الاسلام، دارالترجمہ عثمانیہ کی علمی اور ادبی خدمات۔ ص 123-124
10. حامد بیگ، مرزا، اردو ترجمے کی روایت 1786ء سے تاحال، 2016ء، ص 204
11. حسن الدین احمد ڈاکٹر، جامعہ عثمانیہ، ص 54